ارفع مقام کی طرف جماعت احمدیہ کے ہر فرد کی حرکت رہنی چاہیئے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ ؍دسمبر ۱۹۸۱ء بمقام مردانہ جلسہ گاہ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنی پڑھی:-

بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔(البقرة:۱۱۳)

پھر حضور انور نے فرمایا:-

قرآن کریم میں یہ بیان ہے کہ مومن، مومن میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ جو اسلام لاتے ہیں ان کی ابتدا تو اس نچلے مقام سے شروع ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ لیا کرو۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات:۱۵) ابھی تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں لیکن وہ مبتدی جن کی ابتدا یہاں سے شروع ہوتی ہے وہ درجہ بدرجہ روحانی میدانوں میں ترقی کرتے ہوئے آخر میں ایک ایسے مقام تک پہنچتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال:۵) کہ وہ سچے اور پورے اور حقیقی مومن ہیں۔

جو آیت مَیں نے ابھی تلاوت کی اس میں اس آخری رفعت کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر اشارۃً ہے کہ جن کا خاتمہ بالخیر اس مقام پر ہو جاتا ہے۔ میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ دنیا ابتلا اور امتحان کی دنیا ہے جہاں یہ ممکن ہے کہ ایک مبتدی کا روحانی میدان میں پاؤں پھسلے اور وہ روحانی طور پر ''شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ'' (اٰلِ عمران:۱۰۴) آگ کے گڑھے میں گر جائے

وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص روحانی ترقیات کرتے ہوئے بہت سی منازل طے کر کے کہیں کا کہیں آگے نکل جائے اس کے پاؤں میں بھی لغزش آئے اور خدا تعالیٰ کے دربار سے وہ دھتکارا جائے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الاحقاف:۲۰) جیسے جیسے کسی کے عمل، عمل صالح ہوں گے ویسے ویسے اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہوگا۔ تو جتنے انسان خدا تعالیٰ کا نام لے کر، اس کی عظمتوں کا کلمہ پڑھ کے اسے جلّ جلالہ، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر اسلام میں داخل ہوتے ہیں، اتنے ہی درجات ہیں جتنے افراد ہیں۔ لیکن وہ ایک باریک مسئلہ ہے جسے سمجھانے کے لئے میں یہ کہوں گا کہ جس طرح دنیا میں دو انسان کی شکل ایک نہیں اسی طرح روحانی طور پر کسی دو انسان کی روحانیت کا مقام بھی ایک نہیں۔ اس میں بہت سی باتیں دخل انداز ہوتی ہیں جن کی تفصیل کی طرف اشارہ بھی اس وقت نہیں کیا جا سکتا۔ درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے یہی لوگ (وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا) ایک مسلسل جدّ وجہد، ایک سعی، مجاہدہ، ایک ہجرت، (ہجرت مکانی نہیں ہجرت روحانی جو ہے کہ چھوٹے مقام کو چھوڑ کے بڑے کی طرف منتقل ہونے کی مقبول کوشش جس کے نتیجے میں ایک بلند مقام کی طرف ایک انسان منتقل ہو بھی جاتا ہے۔)

اس مسلسل کوشش کے بعد ایک گروہ ایسا آ گیا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یہ جو گروہ ہے اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ والی آیت میں بیان کی ہے۔ وہ آئیڈیل (Ideal) ہے۔ کوئی شخص اس آیت کو سُن کے اور اس کی تفسیر (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان کی ہے جسے پڑھ کر سناؤں گا آپ کو اسے) سُن کے اس شبہ میں نہ رہے ایک:- کہ سارے کے سارے مومن اس مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ نہیں، سارے نہیں پہنچے ہوئے لیکن جو پہنچے ہوئے ہیں وہ بھی اور جو نہیں پہنچے ہوئے اس مقام کو، وہ بھی مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ زندگی کے ہر آنے والے لحہ میں ان پر اللہ تعالیٰ کی اس سے زیادہ برکات نازل ہوں جو گزرنے والے لمحے میں ان پر نازل ہوئیں۔ یہ ایک مسلسل حرکت روحانی میدانوں میں جاری ہے۔ نہ یہ غلط فہمی ہونی چاہیئے کہ جو مُؤْمِنُوْنَ حَقًّا بن گئے، مرتے دم تک ان کو کوئی خطرہ

نہیں۔ دوم:- اس لئے کہ اس میدان کا کوئی کنارہ نہیں کہ جہاں پہنچ کے انسان کی کنارے پر پہنچنے کی کوشش ختم ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ساری کوشش خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لیے ہے اور جو بُعد انسان اور خدا میں ہے وہ غیر محدود ہے، نہ ختم ہونے والا ہے لیکن قریب سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ پیار انسان اللہ تعالیٰ کا حاصل کرتا رہتا ہے اپنی زندگی میں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ آئیڈیل ہے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (البقرة:۱۱۳) میں جو بیان ہوا۔ سارے یہاں تک نہیں پہنچے لیکن یہ بھی درست ہے کہ ہر ایک کو اس آئیڈیل، اس اعلیٰ ترین مقام تک پہنچنے کے لیے کانشسلی (Consciously) بیدار زندگی گزارتے ہوئے کوشش کرنی چاہیئے ورنہ ہلاکت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مقام کے متعلق جو فرماتے ہیں ایک مختصر سا اقتباس اس وقت میں پڑھ کے دوستوں کو سناؤں گا۔ اس کا ایک ایک حرف جو ہے وہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

چونکہ یہ جلسہ سالانہ ہمارا تربیت کے لحاظ سے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے اس واسطے مَیں نے اس کی ابتدا آج جمعہ میں اس مضمون سے شروع کی تا کہ آپ کی توجہ اس طرف پھیروں کہ ان دنوں میں خصوصاً آپ کوشش کریں کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے آپ اپنی جھولیاں بھر سکیں وہ بھر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا کرے آمین۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”اور اصطلاحی معنے **اسلام** کے وہ ہیں جو اس آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی مسلمان وہ ہے (”وہ مسلمان جسے مُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے گروہ میں اللہ تعالیٰ نے شامل کیا“ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ) جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیوے اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لئے قائم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے“

(آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۸)

پھر آپ فرماتے ہیں:-

’’معلوم ہوا کہ **اسلام کی حقیقت** (’’یہ مُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کی طرف اشارہ ہے‘‘ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ) نہایت ہی اعلیٰ ہے۔ اور کوئی انسان کبھی اس شریف لقب اہل اسلام سے حقیقی طور پر ملقّب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنا سارا وجود معہ اس کی تمام قوتوں اور خواہشوں اور ارادوں کے حوالہ بخدا نہ کر دیوے اور اپنی انانیّت سے معہ اس کے جمیع لوازم کے ہاتھ اٹھا کر اسی کی راہ میں نہ لگ جاوے۔ پس حقیقی طور پر اُسی وقت کسی کو مسلمان کہا جائے گا جب اس کی غافلانہ زندگی پر ایک سخت **انقلاب** وارد ہو کر اس کے نفسِ امّارہ کا نقش ہستی معہ اس کے تمام جذبات کے یکدفعہ مٹ جائے اور پھر اس موت کے بعد **محسن لِلّٰہ** ہونے کے نئی زندگی اس میں پیدا ہو جائے اور وہ ایسی پاک زندگی ہو جو اس میں **بجز** طاعتِ خلق اور ہمدردیٔ مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو‘‘　(آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۰، ۶۱)

اس کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام میں ہی یہ فرمائی:-

’’اس جگہ ہر ایک سچّے طالب کے دل میں بالطبع یہ سوال پیدا ہوگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ تا یہ مرتبہ عالیہ مکالمہ الٰہیہ حاصل کر سکوں۔ پس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نئی ہستی ہے جس میں نئی قوتیں، نئی طاقتیں، نئی زندگی عطا کی جاتی ہے اور نئی ہستی پہلی ہستی کی فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور جب پہلی ہستی ایک سچی اور حقیقی قربانی کے ذریعہ سے جو فدائے نفس اور فدائے عزّت و مال و دیگر لوازمِ نفسانیہ سے مراد ہے بکلّی جاتی رہے تو یہ دوسری ہستی فی الفور اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ پہلی ہستی کے دور ہونے کے نشان کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب پہلے خواص اور جذبات دور ہو کر نئے خواص اور نئے جذبات پیدا ہوں اور اپنی فطرت میں ایک انقلابِ عظیم نظر آوے اور تمام حالتیں کیا اخلاقی اور کیا ایمانی اور کیا تعبدی ایسی ہی بدلی ہوئی نظر آویں کہ گویا ان پر اب رنگ ہی اور ہے۔ غرض جب اپنے نفس پر نظر ڈالے تو اپنے تئیں ایک نیا آدمی پاوے اور ایسا ہی خدا تعالیٰ بھی

نیا ہی دکھائی دے اور شکر اور صبر اور یادِ الٰہی میں نئی لذّتیں پیدا ہو جائیں جن کی پہلے کچھ بھی خبر نہیں تھی اور بدیہی طور پر محسوس ہو کہ اب اپنا نفس اپنے ربّ پر بکلّی متوکّل اور غیر سے بکلّی لاپرواہ ہے اور تصوّر وجودِ حضرتِ باری اس قدر اس کے دل پر استیلا پکڑ گیا ہے کہ اب اس کی نظر شہود میں وجودِ غیر بکلّی معدوم ہے اور تمام اسباب ہیچ اور ذلیل اور بے قدر نظر آتے ہیں اور صدق اور وفا کا مادہ اس قدر جوش میں آ گیا ہے کہ ہر یک مصیبت کا تصوّر کرنے سے وہ مصیبت آسان معلوم ہوتی ہے اور نہ صرف تصوّر بلکہ مصائب کے وارد ہونے سے بھی ہر یک درد برنگ لذّت نظر آتا ہے۔ تو جب یہ تمام علامات پیدا ہو جائیں تو سمجھنا چاہیئے کہ اب پہلی ہستی پر بکلّی موت آ گئی۔

اس موت کے پیدا ہو جانے سے عجیب طور کی قوتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ باتیں جو دوسرے کہتے ہیں پر کرتے نہیں اور وہ راہیں جو دوسرے دیکھتے ہیں پر چلتے نہیں اور وہ بوجھ جو دوسرے جانچتے ہیں پر اٹھاتے نہیں، ان سب امورِ شاقّہ کی اس کو توفیق دی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنی قوّت سے نہیں بلکہ ایک زبردست الٰہی طاقت اس کی اعانت اور امداد میں ہوتی ہے جو پہاڑوں سے زیادہ اس کو استحکام کی رُو سے کر دیتی ہے اور ایک وفادار دل اس کو بخشتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کے جلال کے لئے وہ کام اس سے صادر ہوتے ہیں اور وہ صدق کی باتیں ظہور میں آتی ہیں کہ انسان کیا چیز ہے اور آدم زاد کیا حقیقت ہے کہ خود بخود ان کو انجام دے سکے۔ وہ بکلّی غیر سے منقطع ہو جاتا ہے اور ماسوا اللہ سے دونوں ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور سب تفاوتوں اور فرقوں کو درمیان سے دور کر دیتا ہے اور وہ آزمایا جاتا اور دکھ دیا جاتا ہے اور طرح طرح کے امتحانات اس کو پیش آتے ہیں اور ایسی مصائب اور تکالیف اس پر پڑتی ہیں کہ اگر وہ پہاڑوں پر پڑتیں تو انہیں نابود کر دیتیں۔ اور اگر وہ آفتاب اور ماہتاب پر وارد ہوتیں تو وہ بھی تاریک ہو جاتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا ہے اور وہ تمام سختیوں کو بڑی انشراحِ صدر سے برداشت کر لیتا ہے اور اگر وہ ہاونِ حوادث میں پیسا بھی جائے اور غبار سا کیا جائے تب بھی بغیر اِنِّی مَعَ اللّٰہ کے اور کوئی آواز اس کے اندر سے نہیں آتی۔ جب

کسی کی حالت اس نوبت تک پہنچ جائے تو اس کا معاملہ اس عالم سے وراء لوراء ہو جاتا ہے اور ان تمام ہدایتوں اور مقاماتِ عالیہ کو ظلّی طور پر پالیتا ہے جو اس سے پہلے نبیوں اور رسولوں کو ملے تھے‘‘

(آئینہ کمالات اسلام۔روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۷)

یہ وہ آئیڈیل، یہ وہ ارفع مقام ہے جس کی طرف جماعت احمدیہ کے ہر فرد کی حرکت ہے اور ہونی چاہیئے اور رہنی چاہیئے۔ پس دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم سب کو توفیق عطا کرے کہ وہ اس جلسہ پر بھی ایسی تربیت حاصل کر سکیں کہ اپنے عجز اور انکسار کے مقام کو پہچاننے والے ہوں اور خدا تعالیٰ کی عظمتوں اور رفعتوں اور اس کی بلندیوں کی معرفت اور عرفان رکھنے والے ہوں اور ایک مستقل حرکت ہر دوسری چیز کو بھول کے ہماری، اپنے ربّ کریم کی طرف ہو رہی ہو اور خدا کرے کہ ہماری کوشش کو وہ قبول کرنے والا ہو اور خدا کرے کہ اس کے نتیجہ میں وہ بے انتہا فضل ہم پر، انفرادی طور پر بھی اور جماعتی طور پر بھی نازل کرنے والا ہو۔آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ ؍جنوری ۱۹۸۲ء صفحہ ۲ تا ۴)